تقریر بابت مسیح موعودؑ
وقت 5-7منٹ

❁❁❁ تقریر ❁❁❁

حضرت مسیح موعودؑ کی احباب جماعت کو نصائح

(ملفوظات جلد4ایڈیشن1984ء)

(تقریر نمبر5)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ہُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ (العنکبوت:3)

کیالوگ یہ گمان کر بیٹھے ہیں کہ یہ کہنے پر کہ ہم ایمان لے آئے وہ چھوڑ دیئے جائیں گے اور آزمائے نہیں جائیں گے؟

جڑ ہے ہر ایک خیر و سعادت کی اِتّقا
جس کی یہ جڑ رہی ہے عمل اس کا سب رہا

معزز سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی زندگی میں بے شمار تقاریر کیں، درس دیئے، مجالسِ عرفان سے خطاب فرمایا۔ آپؑ کے اِن ملفوظات، ارشادات، مناجات کو 10 جلدوں میں منضبط کیا۔ جن میں ہزاروں کی تعداد میں احبابِ جماعت کو قیمتی نصائح سے نوازا۔"مشاہدات" کے تحت احبابِ جماعت کے لئے اکٹھا کیا جارہا ہے اور جلد 4 سے نصائح پیش کی رہی ہیں۔ یہ جلد چہارم کی تقریر نمبر 5 ہے۔

غور و فکر کرنے کی نصیحت

فرمایا:

"اصل بات یہ ہے کہ جب تک انسان کسی بات کو خالی الذہن ہو کر نہیں سوچتا اور تمام پہلوؤں پر توجہ نہیں کرتا اور غور سے نہیں سُنتا۔ اس وقت تک پُرانے خیالات نہیں چھوڑ سکتا۔ اس لئے جب آدمی کسی نئی بات کو سُنے تو اُسے یہ نہیں چاہئے کہ سُنتے ہی اُس کی مخالفت کے لئے تیار ہو جاوے بلکہ اس کا فرض ہے کہ اُس کے سارے پہلوؤں پر پورا فکر کرے اور انصاف اور دیانت اور سب سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کے خوف کو مدنظر رکھ کر تنہائی میں اس پر سوچے۔"

(ملفوظات جلد4 صفحہ 1-2)

چودھویں صدی کے مجدّد کی ضرورت

فرمایا:

"اس وعدہ کے موافق ضروری تھا کہ اس صدی میں بھی جو انیس سال تک گزر چکی ہے مجدّد آئے۔ اب اس دوسرے پہلو کو دیکھنا بھی ضروری ہے کہ کیا اس وقت اسلام کے لئے کوئی آفات اور مشکلات ایسی پیدا ہو گئی ہیں جو کسی مامور کے لئے داعی ہیں۔ جب ہم اس پہلو پر غور کرتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام پر اس وقت دو قسم کی آفتیں آئی ہیں۔ اندرونی اور بیرونی۔

اندرونی طور پر یہ حالت اسلام کی ہو گئی ہے کہ بہت سی بدعتیں اور شرک سچی توحید کی بجائے پیدا ہو گیا ہے۔ اعمالِ صالحہ کی جگہ صرف چند رسومات نے لے لی ہے۔ قبر پرستی اور پیر پرستی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ وہ بجائے خود ایک مستقل شریعت ہو گئی ہے۔ مجھ کو ہمیشہ تعجب اور حیرت ہوتی ہے کہ مجھ کو یہ لوگ کہتے ہیں کہ مَیں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ حالانکہ اس امر کو انہوں نے نہیں سمجھا۔ کہ مَیں کیا کہتا ہوں مگر اپنے گھر میں یہ لوگ غور نہیں کرتے کہ نبوت کا دعویٰ تو انہوں نے کیا ہے جنہوں نے اپنی شریعت بنالی ہے کوئی بتائے کہ ورد اور وظائف جو سجادہ نشین اور مختلف گدیوں والے اپنے مریدوں کو سکھاتے ہیں، مَیں نے ایجاد کئے ہیں؟ یا مَیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور سُنّت پر عمل کرتا ہوں اور اس پر ایک نقطہ یا شعشہ بڑھانا کُفر سمجھتا ہوں اور ہزار ہا قسم کی بدعات ہر فرقہ اور گروہ میں اپنے رنگ کی پیدا ہو چکی ہیں۔ تقویٰ اور طہارت جو اسلام کا اصل منشاء اور مقصود تھا۔ جس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطرناک مصائب برداشت کیں جن کو بجز نبوت کے دِل کے کوئی دوسرا برداشت نہیں کر سکتا وُہ آج مفقود و معدوم ہو گیا ہے۔ جیل خانوں میں جا کر دیکھو کہ جرائم پیشہ لوگوں میں زیادہ تعداد کِن کی ہے۔ زنا، شراب اور اتلافِ حقوق اور دوسرے جرائم کثرت سے ہو رہے ہیں کہ گویا یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ کوئی خدا نہیں۔ اگر مختلف طبقاتِ قوم کی خرابیوں اور نقائص پر مفصّل بحث کی جاوے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جاوے۔ ہر دانش مند اور غور کرنے والا انسان قوم کے مختلف افراد کی حالت پر نظر کر کے اس صحیح اور یقینی نتیجہ پر پہنچ جاوے گا کہ وہ تقویٰ جو قرآن کریم کی علّتِ غائی تھا جو اکرام کا اصل موجب اور ذریعہ شرافت تھا آج موجود نہیں۔ عملی حالت جس کی اشد ضرورت تھی کہ اچھی ہوتی اور جو غیروں اور مسلمانوں میں مابہ الامتیاز تھی، سخت کمزور اور خراب ہو گئی ہے۔"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 3-4)

سامعین! دین کی حفاظت ہر احمدی کی ذمہ داری ہے

فرمایا:

"بعض لوگ ایسے دیکھے جاتے ہیں جو کہتے ہیں کہ حفاظت کی کوئی ضرورت نہیں وہ سخت غلطی کرتے ہیں۔ دیکھو! جو شخص باغ لگاتا ہے یا عمارت بناتا ہے تو کیا اس کا فرض نہیں ہوتا یا وہ نہیں چاہتا کہ اس کی حفاظت اور دشمنوں کی دست بُرد سے بچانے کے لئے ہر طرح کی کوشش کرے؟ باغات کے گرد کیسے کیسے احاطے حفاظت کے لئے بنائے جاتے ہیں اور مکانات کو آتشزدگیوں سے بچانے کے لئے نئے نئے مصالحے تیار ہوتے ہیں اور بجلی سے بچانے کے لئے تاریں لگائی جاتی ہیں۔ یہ امور اس فطرت کو ظاہر کرتے ہیں جو بالطبع حفاظت کے لئے انسانوں میں ہے پھر کیا اللہ تعالیٰ کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے دین کی حفاظت کرے؟ بے شک حفاظت کرتا ہے اور اس نے ہر بلا کے وقت اپنے دین کو بچایا ہے۔ اب بھی جبکہ ضرورت پڑی اُسی نے مجھے اِسی لئے بھیجا ہے۔ ہاں یہ امر حفاظت کو مشکوک ہو سکتا یا اس کا انکار ہو سکتا تھا۔ اگر حالات اور ضرورتیں اس کی موّیدنہ ہوتیں۔ مگر کئی کروڑ کتابیں اسلام کے ردّ میں شائع ہو چکی ہیں اور ان اشتہاروں اور دو ورقہ رسالوں کا تو شمار ہی نہیں جو ہر روز اور ہفتہ وار اور ماہوار پادریوں کی طرف سے شائع ہوتے ہیں۔ ان گالیوں کو اگر جمع کیا جاوے جو ہمارے ملک کے مُرتد عیسائیوں نے سید المعصومین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی پاک ازواج کی نسبت شائع کی ہیں تو کئی کوٹھے ان کتابوں سے بھر سکتے ہیں اور اگر اُن کو ایک دوسرے سے ملا کر رکھا جائے تو وہ کئی میل تک پہنچ جائیں۔ عماد الدین، صفدر علی اور شائق وغیرہ نے جیسی تحریریں شائع کی ہیں وہ کسی پر پوشیدہ نہیں۔ عماد الدین کی تحریروں کے خطرناک ہونے کا بعض انصاف پسند عیسائیوں کو بھی اعتراف ہے۔ چنانچہ لکھنؤ سے جو ایک اخبار الشمس الاخبار نِکلا کرتا تھا۔ اس میں اس کی بعض کتابوں پر یہ رائے لکھی گئی تھی کہ اگر ہندوستان میں پھر کبھی غدر ہو گا تو ایسی تحریروں سے ہو گا۔ ایسی حالتوں میں بھی کہتے ہیں کہ اسلام کا کیا بگڑا ہے۔ اس قسم کی باتیں وہ لوگ کر سکتے ہیں جو یا تو اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور درد نہیں اور یا وُہ لوگ جنہوں نے حجروں کی تاریکی میں پرورش پائی ہے اور اُن کو باہر کی دُنیا کی کچھ خبر نہیں ہے۔ پس ایسے لوگ اگر ہیں تو اُن کی کچھ پرواہ نہیں۔ ہاں وہ لوگ جو نورِ قلب رکھتے ہیں جن کو اسلام کے ساتھ محبت اور تعلق ہے اور زمانہ کے حالات سے آشنا ہیں۔ اُن کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ وقت کس عظیم الشان مصلح کا وقت ہے۔"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 7-8)

مسیح موعود کی ضرورت ہے

فرمایا:

"میرا انکار میرا انکار نہیں ہے بلکہ یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار ہے۔ کیونکہ جو میری تکذیب کرتا ہے وہ میری تکذیب سے پہلے معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ کو جھوٹا ٹھہرالیتا ہے جبکہ وُہ دیکھتا ہے کہ اندرونی اور بیرونی فساد حد سے بڑھے ہوئے ہیں اور خدا تعالیٰ نے باوجود وعدہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: 1) کے ان کی اصلاح کا کوئی انتظام نہ کیا۔ جب کہ وہ اس امر پر بظاہر ایمان لاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آیت استخلاف میں وعدہ کیا تھا کہ مُوسوی سلسلہ کی طرح اس محمدی سلسلہ میں بھی خلفاء کا سلسلہ قائم کرے گا۔ مگر اُس نے معاذ اللہ اس وعدہ کو پُورا نہیں کیا اور اس وقت کوئی خلیفہ اس امّت میں نہیں اور نہ صرف یہاں تک ہی بلکہ اس بات سے بھی انکار کرنا پڑے گا کہ قرآن شریف نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیلِ موسیٰ قرار دیا ہے یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ معاذ اللہ۔ کیونکہ اس سلسلہ کی اتمّ مشابہت اور مماثلت کے لئے ضروری تھا کہ اس چودھویں صدی پر اسی امت میں سے ایک مسیح پیدا ہوتا اسی طرح پر جیسے موسوی سلسلہ میں چودھویں صدی پر ایک مسیح آیا اور اسی

طرح پر قرآن شریف کی اس آیت کو بھی جھٹلانا پڑے گا اٰخَرِیۡنَ مِنۡہُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِہِمۡ (الجمعہ: 4)۔ میں ایک آنے والے احمدی بروز کی خبر دیتی ہے اور اس طرح پر قرآن شریف کی بہت سی آیتیں ہیں جن کی تکذیب لازم آئے گی بلکہ مَیں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ الحمد سے لے کر والنّاس تک سارا قرآن چھوڑنا پڑے گا۔ پھر سوچو کہ کیا میری تکذیب کوئی آسان امر ہے۔ یہ مَیں از خود نہیں کہتا۔ خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حق یہی ہے کہ جو مجھے چھوڑے گا اور میری تکذیب کرے گا وہ زبان سے نہ کرے مگر اپنے عمل سے اُس نے سارے قرآن کی تکذیب کر دی اور خدا کو چھوڑ دیا۔

اس کی طرف میرے ایک الہام میں بھی اشارہ ہے۔ اَنۡتَ مِنِّیۡ وَاَنَا مِنۡكَ بے شک میری تکذیب سے خدا کی تکذیب لازم آتی ہے اور میرے اقرار سے خدا تعالیٰ کی تصدیق ہوتی اور اُس کی ہستی پر قوی ایمان پیدا ہوتا ہے اور پھر میری تکذیب نہیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے۔ اب کوئی اس سے پہلے کہ میری تکذیب اور انکار کے لئے جرأت کرے، ذرا اپنے دل میں سوچے اور اُس سے فتویٰ طلب کرے کہ وہ کس کی تکذیب کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیوں تکذیب ہوتی ہے ؟ اس طرح پر آپؐ نے جو وعدہ کیا تھا کہ ہر صدی کے سر پر مجدد آئے گا وہ معاذ اللہ جھوٹا نِکلا۔ پھر آپؐ نے جو اِمَامُکُمۡ مِنۡکُمۡ فرمایا تھا۔ وہ بھی معاذ اللہ غلط ہوا ہے اور آپؐ نے جو صلیبی فتنہ کے وقت ایک مسیح و مہدی کے آنے کی بشارت دی تھی وہ بھی معاذ اللہ غلط نکلی۔ کیونکہ فتنہ تو موجود ہو گیا مگر وہ آنے والا امام نہ آیا۔ اب ان باتوں کو جب کوئی تسلیم کرے گا۔ عملی طور پر کیا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکذّب ٹھہرے گا یا نہیں ؟

پس پھر مَیں کھول کر کہتا ہوں کہ میری تکذیب آسان امر نہیں۔ مجھے کافر کہنے سے پہلے خود کافر بننا ہوگا۔ مجھے بے دین اور گمراہ کہنے میں دیر ہوگی۔ مگر پہلے اپنی گمراہی اور رُوسیاہی کو مان لینا پڑے گا۔ مجھے قرآن و حدیث کو چھوڑنے والا کہنے کے لئے پہلے خود قرآن اور حدیث کو چھوڑ دینا پڑے گا اور پھر بھی وہی چھوڑے گا۔ مَیں قرآن وحدیث کا مصدّق و مصداق ہوں۔ مَیں گمراہ نہیں بلکہ مہدی ہوں۔ مَیں کافر نہیں بلکہ اَنَا اَوَّلُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کا مصداق صحیح ہوں اور جو کچھ میں کہتا ہوں خدا نے مجھ پر ظاہر کیا کہ یہ سچ ہے۔ جس کو خدا پر یقین ہے جو قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق مانتا ہے۔ اس کے لئے یہی حجّت کافی ہے کہ میرے مُنہ سے سُنکر خاموش ہو جائے۔ لیکن جو دلیر اور بے باک ہے اس کا کیا علاج۔ خدا خود اُس کو سمجھائے گا۔ اس لئے مَیں چاہتا ہوں کہ آپ خدا کے واسطے اس امر پر غور کریں اور اپنے دوستوں کو بھی وصیت کریں کہ وہ میرے معاملہ میں جلدی سے کام نہ لیں بلکہ نیک نیتی اور خالی الذہن ہو کر سوچیں اور پھر خدا تعالیٰ سے اپنی نمازوں میں دعائیں مانگیں کہ وہ اُن پر حق کھول دے اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ اگر انسان تعصّب اور ضد سے پاک ہو کر حق کے اظہار کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرے گا تو ایک چلّہ نہ گزرے گا کہ اس پر حق کُھل جائے۔ مگر بہت ہی کم لوگ ہیں جو ان شرائط کے ساتھ خدا تعالیٰ سے فیصلہ چاہتے ہیں اور اس طرح پر اپنی کم سمجھی یا ضد و تعصّب کی وجہ سے خدا کے ولی کا انکار کر کے ایمان سلب کرا لیتے ہیں۔ کیونکہ جب ولی پر ایمان نہ رہے تو ولی جو نبوت کے لئے بطور میخ کے ہے۔ اُسے پھر نبوت کا انکار کرنا پڑتا ہے اور نبی کے انکار سے خدا کا انکار ہوتا ہے اور اس طرح پر بالکل ایمان سلب ہو جاتا ہے۔

اس وقت ضروری ہے کہ خوب غور کر کے دیکھا جاوے کہ کیا عیسائی فتنہ نہیں ہے جو مِنۡ کُلِّ حَدَبٍ یَّنۡسِلُوۡنَ کا مصداق ہو کر لاکھوں انسانوں کو گمراہ کر رہا ہے اور مختلف طریق اُس نے اپنی اشاعت کے رکھے ہیں۔ اب وقت ہے کہ اس سوال کا جواب دیا جاوے کہ اس فتنہ کی اصلاح کرنے والے کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا رکھا ہے ؟ صلیب کا زور تو دن بدن بڑھ رہا ہے اور ہر جگہ اس کی چھاؤنیاں قائم ہوتی جاتی ہیں۔ مختلف مِشن قائم ہو کر دُور دراز ملکوں اور اقطاعِ عالَم میں پھیلتے جاتے ہیں کہ اس وقت ایک مُصلح کی ضرورت ہے جو اس فساد کی آگ کو بُجھائے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو صرف ضروریات محسوسہ مشہدہ تک ہی نہیں رکھا بلکہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و عزت کے اظہار کے لئے بہت سی پیشگوئیاں پہلے سے اس وقت کے لئے مقرر رکھی ہوئی ہیں۔ جن سے صاف پایا جاتا ہے کہ اس وقت ایک آنے والا امر دہے اور اس کا نام مسیح موعود اور اس کا کام کسرِ صلیب ہے۔ اب اس ترتیب کے ساتھ ہر ایک سلیم الفطرت کو اتنا تو ماننا پڑے گا کہ بجُز اس تسلیم کے چارہ نہیں کہ کوئی مردِ آسمانی آوے اور اس کا کام اس وقت کسرِ صلیب ہی ہونا چاہئے۔“

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 14-17)

سامعین! ابتلاؤں کا آنا ضروری ہے

فرمایا:

”یہ بیہودہ باتیں نہیں ہیں بلکہ جب سے نبوت کا سلسلہ جاری ہوا ہے۔ یہی قانون چلا آیا ہے۔ قبل از وقت ابتلا ضرور آتے ہیں تا کچّوں اور پکّوں میں امتیاز ہو اور مومنوں اور منافقوں میں بیّن فرق نمودار ہو۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ہُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ (العنکبوت: 3)۔ یہ لوگ یہ گمان

کر بیٹھے ہیں کہ وہ صرف اتنا ہی کہنے پر نجات پا جائیں کہ ہم ایمان لائے اور اُن کا کوئی امتحان نہ ہو۔ یہ کبھی نہیں ہوتا۔ دنیا میں بھی امتحان اور آزمائش کا سلسلہ موجود ہے جب دنیاوی نظام میں یہ نظیر موجود ہے تو رُوحانی عالم میں یہ کیوں نہ ہو۔ بغیر امتحان اور آزمائش کے حقیقت نہیں کھلتی۔ آزمائش کے لفظ سے یہ بھی دھوکہ نہ کھانا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ جو عالم الغیب اور یَعۡلَمُ السِّرَّ وَالۡخَفِیَّ ہے۔ امتحان یا آزمائش کی ضرورت ہے اور بدوں امتحان اور آزمائش کے اس کو کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ ایسا خیال کرنا نہ صرف غلطی بلکہ کفر کی حد تک پہنچتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان صفات کا انکار ہے۔ امتحان یا آزمائش سے اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ تا حقائق مخفیہ کا اظہار ہو جاوے اور شخص زیرِ امتحان پر اس کی حقیقتِ ایمان منکشف ہو کر اسے معلوم ہو جاوے کہ وہ کہاں تک اللہ کے ساتھ صدق و اخلاص و وفا رکھتا ہے اور ایسا ہی دوسرے لوگوں کو اس کی خوبیوں پر اطلاع ملے۔ پس یہ خیال باطل ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ جو امتحان کرتا ہے تو اس سے پایا جاتا ہے کہ اس کو علم نہیں۔ اس کو تو ذرّہ ذرّہ کا علم ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ ایک آدمی کی ایمانی کیفیتوں کے اظہار کے لئے اس پر ابتلا آویں اور وہ امتحان کی چکّی میں پیسا جاوے۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ اند
زیر آن گنج کرم بنہادہ اند

ابتلاؤں اور امتحانوں کا آنا ضروری ہے۔ بغیر اس کے کشفِ حقائق نہیں ہوتا۔ یہودی قوم کے لئے یہ ابتلا جو مسیحؑ کی آمد تھا۔ بہت ہی بڑا تھا اور جب کبھی خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی مامُور آتا ہے ضرور ہے کہ وہ ابتلاؤں کو لے کر آوے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی توریت میں مثیل موسیٰ والی موجود ہے۔ لیکن کیا کہنے والے نہیں کہتے کہ کیوں اللہ تعالیٰ نے پُورا نام لے کر نہ بتایا اور سارا پتہ نہ دے دیا کہ وہ عبداللہ کے گھر میں آمنہ کے پیٹ سے پیدا ہوگا اور اسماعیلی سلسلہ میں ہوگا۔ تیرے بھائیوں کا لفظ کیوں کہہ دیا؟ اصل بات یہ ہے کہ اگر ایسی ہی صراحت سے بتا دیا جاتا تو پھر ایمان ایمان نہ رہتا۔ دیکھو! اگر ایک شخص پہلی رات کا چاند دیکھ کر بتا دے تو وہ تیز نظر کہلا سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی چودھویں کا چاند دیکھ کر کہہ دے کہ مَیں نے بھی چاند دیکھ لیا ہے تو کیا لوگ اس پر ہنسیں گے نہیں؟ یہی حال خدا تعالیٰ کے نبیوں اور رسُولوں کی شناخت کے وقت ہوتا ہے۔ جو لوگ قرائن قویّہ سے شناخت کر لیتے اور ایمان لے آتے ہیں۔ وہ اوّل المومنین ٹھہرتے ہیں۔ اُن کے مدارج اور مراتب بڑے ہوتے ہیں۔ لیکن جب اُن کا صدق آفتاب کی طرح کُھل جاتا ہے اور اُن کی ترقی کا دریا بہہ نکلتا ہے تو پھر ماننے والے عوام الناس کہلاتے ہیں۔

جب خدا تعالیٰ کا ہمیشہ سے ایک قانون سلسلۂ نبوت کے متعلق چلا آتا ہے اور اس کے اپنے ماموروں کے ساتھ یہی سنّت ہے تو مَیں اس سے الگ کیونکر ہو سکتا ہوں پس اگر ان لوگوں کے دل میں بُخل اور ضِدّ نہیں تو میری بات سُنیں اور میرے پیچھے ہو لیں پھر دیکھیں کہ کیا خدا تعالیٰ اُن کو تاریکی میں چھوڑتا ہے یا نُور کی طرف لے جاتا ہے؟ مَیں یقین رکھتا ہوں کہ جو صبر اور صدقِ دِل سے میرے پیچھے آتا ہے وہ ہلاک نہ کیا جاوے گا۔ بلکہ وہ اُسی زندگی سے حصہ لے گا جس کو کبھی فنا نہیں۔ اس قدر لوگ جو میرے ساتھ ہیں اور جو اَب اِس وقت موجود ہیں۔ کیا ان میں سے ایک بھی ہے جو یہ کہے کہ مَیں نے کوئی نشان نہیں دیکھا۔ ایک نہیں سینکڑوں نشان خدا تعالیٰ نے دکھائے ہیں۔ مگر نشانات پر ایمان کا حصر کرنا یہ ٹھوکر کھانے کا موجب ہو جایا کرتا ہے۔ جس کا دل صاف ہے اور خدا ترسی اُس میں ہے۔ اس کے سامنے دوبارہ آنے کے متعلق حضرت عیسیٰؑ ہی کا فیصلہ پیش کرتا ہوں۔ وُہ مجھے سمجھاوے کہ یہودیوں کے سوال کے جواب میں (کہ مسیح سے پہلے ایلیاء کا آنا ضروری ہے) جو کچھ مسیحؑ نے کہا وہ صحیح ہے یا نہیں؟ یہودی تو اپنی کتاب پیش کرتے تھے کہ ملاکی نبی کے صحیفہ میں ایلیاء کا آنا لکھا ہے۔ مثیلِ ایلیا کا ذکر نہیں۔ مسیحؑ یہ کہتے ہیں کہ آنے والا یہی یوحنّا ہے چاہو تو قبول کر لو۔ اب کسی مُنصف کے سامنے فیصلہ رکھو اور دیکھو کہ ڈگری کس کو دیتا ہے۔ وہ یقیناً یہودیوں کے حق میں فیصلہ دے گا۔ مگر ایک مومن جو خدا تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور جانتا ہے کہ خدا کے فرستادے کس طرح آتے ہیں وہ یقین کرے گا کہ مسیحؑ نے جو کچھ کہا اور کیا وہی صحیح اور درست ہے اب اس وقت وہی معاملہ ہے یا کچھ اَور؟ اگر خدا کا خوف ہو تو پھر بدن کانپ جاوے یہ کہنے کی جرأت کرتے ہوئے کہ یہ دعویٰ جھوٹا ہے۔ افسوس اور حسرت کی جگہ ہے کہ ان لوگوں میں اتنا بھی ایمان نہیں جتنا کہ اُس شخص کا تھا جو فرعون کی قوم میں سے تھا اور جس نے یہ کہا کہ اگر یہ کاذب ہے تو خود ہلاک ہو جائے گا۔ میری نسبت اگر تقویٰ سے کام لیا جاتا تو اتنا ہی کہہ دیتے اور دیکھتے کہ کیا خدا تعالیٰ میری تائیدیں اور نُصرتیں کر رہا ہے یا میرے سلسلہ کو مٹا رہا ہے۔"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 29-31)

سنت اور بدعت کے حوالے سے نصیحت

حضورؑ فرماتے ہیں:

"غرض اس وقت لوگوں نے سُنّت اور بدعت میں سخت غلطی کھائی ہوئی ہے اور اُن کو ایک خطرناک دھوکہ لگا ہوا ہے۔ وہ سنّت اور بدعت میں کوئی تمیز نہیں کر سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ حسنہ کو چھوڑ کر خود اپنی مرضی کے موافق بہت سی راہیں خود ایجاد کر لی ہیں اور اُن کو اپنی زندگی کے لئے کافی راہنما سمجھتے ہیں۔

حالانکہ وہ اُن کو گمراہ کرنیوالی چیزیں ہیں۔ جب آدمی سنّت اور بدعت میں تمیز کر لے اور سنّت پر قدم مارے تو وہ خطرات سے بچ سکتا ہے۔ لیکن جو فرق نہیں کرتا اور سنّت کو بدعت کے ساتھ ملاتا ہے اس کا انجام اچھا نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ قرآن شریف میں بیان فرمایا ہے۔ وہ بالکل واضح اور بیّن ہے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے کر کے دکھا دیا ہے۔ آپؐ کی زندگی کامل نمونہ ہے لیکن باوجود اس کے ایک حصّہ اجتہاد کا بھی ہے۔ جہاں انسان واضح طور پر قرآن شریف یا سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی کمزوری کی وجہ سے کوئی بات نہ پا سکے تو اس کو اجتہاد سے کام لینا چاہئے۔ مثلاً شادیوں میں جو بھاجی دی جاتی ہے۔ اگر اس کی غرض صرف یہی ہے کہ تا دوسروں پر اپنی شیخی اور بڑائی کا اظہار کیا جاوے تو یہ ریاکاری اور تکبّر کے لئے ہو گی۔ اس لئے حرام ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص محض اسی نیّت سے کہ اَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ (الضحیٰ:12) ۔ کا عملی اظہار کرے اور وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ (البقرہ:4) پر عمل کرنے کے لئے دوسرے لوگوں سے سلوک کرنے کے لئے دے تو یہ حرام نہیں۔ پس جب کوئی شخص اس نیّت سے تقریب پیدا کرتا ہے اور اس میں معاوضہ ملحوظ نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا غرض ہوتی ہے تو پھر وہ ایک سو نہیں خواہ ایک لاکھ کو کھانا دے منع نہیں۔ اصل مدار نیّت پر ہے۔ نیّت اگر خراب اور فاسد ہو تو ایک جائز اور حلال فعل کو بھی حرام بنا دیتی ہے۔ ایک قصّہ مشہور ہے۔ ایک بزرگ نے دعوت کی اور اس نے چالیس چراغ روشن کئے۔ بعض آدمیوں نے کہا۔ اس قدر اسراف نہیں چاہئے۔ اس نے کہا جو چراغ مَیں نے ریاکاری سے روشن کیا ہے۔ اُسے بُجھا دو۔ کوشش کی گئی ایک بھی نہ بُجھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی فعل ہوتا ہے اور دو آدمی اس کو کرتے ہیں۔ ایک اس فعل کو کرنے میں مرتکب معاصی کا ہوتا ہے اور دوسرا ثواب کا اور یہ فرق نیّتوں کے اختلاف سے پیدا ہو جاتا ہے۔ لکھا ہے کہ بدر کی لڑائی میں ایک شخص مسلمانوں کی طرف سے نکلا جو اکڑ اکڑ کر چلتا تھا اور صاف ظاہر ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا تو فرمایا کہ یہ وضع خداوند تعالیٰ کی نگاہ میں معیُوب ہے مگر اس وقت محبوب ہے کیونکہ اس وقت اسلام کی شان اور شوکت کا اظہار اور فریق مخالف پر ایک رُعب پیدا ہوتا ہے۔ پس ایسی بہت سی مثالیں اور نظیریں ملے گی جن سے آخر کار جا کر یہ ثابت ہوتا ہے کہ اِنَّمَا الۡاَعۡمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔ بالکل صحیح ہے۔

اسی طرح پر مَیں ہمیشہ اسی فکر میں رہتا ہوں اور سوچتا رہتا ہوں کہ کوئی راہ ایسی نکلے جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا اظہار ہو اور لوگوں کو اس پر ایمان پیدا ہو۔ ایسا ایمان جو گناہ سے بچاتا ہے اور نیکیوں کے قریب کرتا ہے۔ مَیں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے مجھ پر لا انتہا فضل اور انعام ہیں۔ اُن کی تحدیث مجھ پر فرض ہے۔ پس مَیں جب کوئی کام کرتا ہوں تو میری غرض اور نیت اللہ تعالیٰ کے جلال کے لئے ہوتی ہے۔ ایسا ہی اس آمین کی تقریب پر بھی ہوا ہے۔ یہ لڑکے چونکہ اللہ تعالیٰ کا ایک نشان ہیں اور ہر ایک اُن میں سے خدا تعالیٰ کی پیشگوئیوں کا زندہ نمونہ ہیں۔ اس لئے مَیں اللہ تعالیٰ کے ان نشانوں کی قدر کرنی فرض سمجھتا ہوں کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کریم کی حقّانیت اور خود اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت ہیں۔ اس وقت جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کلام کو پڑھ لیا تو مجھے کہا گیا۔ اس تقریب پر چند دعائیہ شعر جن میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا شکریہ بھی ہو لکھ دوں۔ مَیں جیسا کہ ابھی کہا ہے کہ اصلاح کی فکر میں رہتا ہوں۔ مَیں نے اس تقریب کو بہت ہی مبارک سمجھا اور مَیں نے مناسب جانا کہ اس طرح پر تبلیغ کر دُوں۔

پس یہ میری نیّت اور غرض تھی۔ چنانچہ جب مَیں نے اس کو شروع کیا اور یہ مصرعہ لکھا۔

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے

تو دوسرا مصرعہ الہام ہوا۔

اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بھی میرے اس فعل سے راضی ہوا ہے۔ قرآن شریف تقویٰ ہی کی تعلیم دیتا ہے اور یہی اس کی علّت غائی ہے۔ اگر انسان تقویٰ اختیار نہ کرے تو اس کی نمازیں بھی بے فائدہ اور دوزخ کی کلید ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ اس کی طرف اشارہ کر کے سعدی کہتا ہے۔

کلیدِ درِ دوزخ است آن نماز
کہ در چشم مردم گزاری دراز

ریاء الناس کے لئے خواہ کوئی کام بھی کیا جاوے اور اس میں کتنی ہی نیکی ہو وہ بالکل بے سود اور اُلٹا عذاب کا موجب ہو جاتا ہے۔ احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانے کے فقراء خدا تعالیٰ کے لئے عبادت کرنا ظاہر کرتے ہیں مگر دراصل وہ خدا کے لئے نہیں کرتے بلکہ مخلوق کے واسطے کرتے ہیں۔ انہوں نے عجیب عجیب حالات ان

لوگوں کے لکھے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں۔ ان کے لباس کے متعلق لکھا ہے کہ اگر وہ سفید کپڑے پہنتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ عزت میں فرق آئے گا اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اگر میلے رکھیں گے تو عزت میں فرق آئے گا۔ اس لئے امراء میں داخل ہونے کے واسطے یہ تجویز کرتے ہیں کہ اعلیٰ درجہ کے کپڑے پہنیں مگر اُن کو رنگ لیتے ہیں۔ ایسا ہی اپنی عبادتوں کو ظاہر کرنے کے لئے عجیب عجیب راہیں اختیار کرتے ہیں۔ مثلاً روزہ کے ظاہر کرنے کے واسطے وہ کسی کے ہاں کھانے کے وقت پر پہنچتے ہیں اور وہ کھانے کے لئے اصرار کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ آپ کھائیے۔ مَیں نہیں کھاؤں گا مجھے کچھ عذر ہے۔ اس فقرہ کے یہ معنے ہوتے ہیں مجھے روزہ ہے۔ اس طرح پر حالات اُن کے لکھے ہیں۔ پس دنیا کی خاطر اور اپنی عزت اور شہرت کے لئے کوئی کام کرنا خدا تعالیٰ کی رضامندی کا موجب نہیں ہو سکتا۔ اس زمانہ میں بھی دنیا کی ایسی ہی حالت ہو رہی ہے۔ ہر ایک چیز اپنے اعتدال سے گر گئی ہے۔ عبادات اور صدقات سب کچھ ریاکاری کے واسطے ہو رہے ہیں۔ اعمالِ صالحہ کی جگہ چند رسوم نے لے لی ہے۔ اس لئے رسوم کے توڑنے سے یہ غرض ہوتی ہے کہ کوئی فعل یا قول، قال اللہ اور قال الرسول کے خلاف اگر ہو تو اُسے توڑا جائے۔ جبکہ ہم مسلمان کہلاتے ہیں اور ہمارے سب اقوال اور افعال اللہ تعالیٰ کے نیچے ہونے ضروری ہیں۔ پھر ہم دُنیا کی پرواہ کیوں کریں؟ جو فعل اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو اس کو دُور کر دیا جاوے اور چھوڑا جاوے۔ جو حدود الٰہی اور وصایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہوں اُن پر عمل کیا جاوے کہ احیاءِ سُنّت اسی کا نام ہے اور جو امور وصایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے خلاف نہ ہوں یا اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف نہ ہوں اور نہ اُن میں ریاکاری مدّ نظر ہو بلکہ بطور اظہار شکر اور تحدیث بالنّعمۃ ہو تو اس کے لئے کوئی ہرج نہیں۔ ہمارے علماء سابقہ تو یہاں تک بعض اوقات مبالغہ کرتے ہیں کہ مَیں نے سُنا ایک مولوی نے ریل کی سواری کے خلاف فتویٰ دیا اور ڈاک خانہ میں خط ڈالنا بھی وُہ گناہ بتاتا تھا۔ اب یہاں تک جن لوگوں کے حالات پہنچ جاویں۔ ان کے پاگل یا نیم پاگل ہونے میں کیا شک باقی رہا؟ یہ حماقت ہے۔ دیکھنا یہ چاہئے کہ میرا فلاں فعل اللہ تعالیٰ کے فرمودہ کے موافق ہے یا خلاف ہے اور جو کچھ مَیں کر رہا ہوں۔ یہ کوئی بدعت تو نہیں اور اس سے شرک تو لازم نہیں آتا۔ اگر ان امور میں سے کوئی بات نہ ہو اور فسادِ ایمان پیدا نہ ہو تو پھر اس کے کرنے میں کوئی ہرج نہیں۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کا لحاظ رکھ لے۔ مَیں نے بعض مولویوں کی نسبت ایسا بھی سُنا ہے کہ صرف ونحو وغیرہ علوم کے پڑھنے سے بھی منع کرتے ہیں اور اس کو بدعت قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت یہ علوم نہ تھے۔ پیچھے سے نکلے ہیں اور ایسا ہی بعض نے توپ یا بندوق کے ساتھ لڑنا بھی گُناہ قرار دیا ہے۔ ایسے لوگوں کے احمق ہونے میں شک کرنا بھی غلطی ہے۔ قرآن شریف تو فرماتا ہے کہ جیسی تیاری وہ کریں تم بھی ویسی ہی تیاری کرو۔ یہ مسائل دراصل اجتہادی مسائل ہیں اور ان میں نیّت کا بہت بڑا دخل ہے۔ غرض ہمارا یہ فعل اللہ تعالیٰ جانتا ہے محض اس کی شکر گزاری کے اظہار کے لئے ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہاں کوئی کام ہوتا ہے اور جو لوگ حسن ظنّی سے کام نہیں لیتے یا اسرار شریعت سے ناواقف ہوتے ہیں۔ بعض وقت اُن کو ابتلا آجاتا ہے اور وہ کچھ کا کچھ سمجھ لیتے ہیں۔ کبھی ایسا ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کہانیاں سُنا رہے ہیں۔ اس وقت اگر کوئی نادان اور نااہل آپ کو دیکھے اور آپ کے اغراض کو مدّ نظر نہ رکھے تو اُس نے ٹھوکر ہی کھانی ہے۔ یا ایک مرتبہ آپؐ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے اور دوسری بیوی نے آپؐ کے لئے شوربے کا پیالہ بھیجا تو حضرت عائشہؓ نے اس پیالہ کو گرا کر پھوڑ دیا۔ اب ایک ناواقف حضرت عائشہؓ کے اس فعل پر اعتراض کرنے کی جرأت کرتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دوسرے افعال پر نظر نہیں کرتا۔ ایسے امور پیش آتے ہیں جو دوسرے علم نہ رکھنے کی وجہ سے ان پر اعتراض کر بیٹھتے ہیں۔ اعتراض سے پہلے انسان کو چاہئے کہ حُسنِ ظن سے کام لے اور چند روز تک صبر سے دیکھے۔ پھر خود بخود حقیقت کُھل جاتی ہے۔ کچھ عرصہ کا ذکر ہے کہ ایک عورت مہمان آئی اور ان دنوں میں کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ چند بیبیوں سے نماز ساقط ہو گئی تھی۔ اُس نے کہا کہ یہاں کیا آنا ہے کوئی نماز ہی نہیں پڑھتا۔ حالانکہ وہ معذور تھیں اور عند اللہ اُن پر کوئی مؤاخذہ نہ تھا۔ مگر اُس نے بغیر دریافت کئے اور سوچے ایسے کہہ دیا۔

تزکیہ دل میں ہوتا ہے۔ بغیر اس کے کچھ نہیں بنتا۔ حالانکہ مَیں نے دیکھا ہے کہ ہمارے گھر میں اس قدر التزام نماز کا ہے کہ جب پہلا بشیر پیدا ہوا تھا۔ اس کی شکل مبارک سے بہت ملتی تھی۔ وہ بیمار ہوا اور شدّت سے اس کو بخار چڑھا ہوا تھا یہاں تک کہ اس کی حالت نازک ہو گئی۔ اس وقت نماز کا وقت ہو گیا تو انہوں نے کہا کہ مَیں نماز پڑھ لُوں۔ ابھی نماز ہی پڑھتے تھے کہ بچّہ فوت ہو گیا۔ نماز سے فارغ ہو کر مجھ سے پوچھا کہ کیا حال ہے۔ مَیں نے کہا۔ اس کا تو انتقال ہو گیا۔ اس وقت مَیں نے دیکھا کہ اُنہوں نے بڑی شرح صدر کے ساتھ کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ اسی وقت میرے دل میں ڈالا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو نہیں اُٹھائے گا جب تک اس بچّہ کا بدلہ نہ دے لے۔ چنانچہ اس کے فوت ہونے کے قریباً چالیس دن بعد محمود پیدا ہوا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ بچّے پیدا ہوئے۔ غرض ظنونِ فاسدہ والا انسان ناقص الخلقت ہوتا ہے۔ چونکہ اس کے پاس صرف رسمی امور ہوتے ہیں اس لئے نہ اس کا دین درست ہوتا ہے نہ دنیا۔ ایسے لوگ نمازیں پڑھتے ہیں۔ مگر نماز کے مطالب سے ناآشنا ہوتے ہیں اور ہرگز نہیں سمجھتے کہ کیا کر رہے ہیں؟۔ نماز میں تو ٹھونگے مارتے ہیں لیکن نماز کے بعد دُعا میں گھنٹہ گھنٹہ گزار دیتے ہیں۔ تعجّب کی بات ہے کہ

نماز جو اصل دُعا کے لئے ہے اور جس کا مغز ہی دُعا ہے اس میں وہ کوئی دُعا نہیں کرتے۔ نماز کے ارکان بجائے خود دُعا کے لئے محرّک ہوتے ہیں۔ حرکت میں برکت ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بیٹھے بیٹھے کوئی مضمون نہیں سوجھتا۔ جب ذرا اُٹھ کر پھرنے لگتے ہیں تو مضمون سُوجھ گیا۔ اس طرح پر سب اعمال کا حال ہے۔ اگر اُن کی اصلیت کا لحاظ اور مغز کا خیال نہ ہو تو وہ ایک رسم اور عادت رہ جاتی ہے۔ اسی طرح روزہ میں خدا کے واسطے نفس کو پاک رکھنا ضروری ہے۔ لیکن اگر حقیقت نہ ہو تو پھر یہ رسم ہی رہ جاتی ہے۔

یقیناً یاد رکھو کہ جو خدا تعالیٰ کے فضل پر خوش نہیں ہوتا اور اس کا عملی اظہار نہیں کرتا۔ وہ مخلص نہیں ہے۔ میرے خیال میں اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ کے فضل پر سال بھر تک گاتا رہے تو وہ سال بھر ماتم کرنے والے سے اچھا ہے۔ جو امور قال اللہ اور قال الرسول کے خلاف ہوں یا اُن میں شرک پایا جاتا ہو اور ان میں اپنی شیخی دکھائی جاوے وہ امور اِثم میں داخل ہیں اور منع ہیں۔ دَف کے ساتھ شادی کا اعلان کرنا بھی اس لئے ضروری ہے کہ آئندہ اگر جھگڑا ہو تو ایسا اعلان بطور گواہ ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی اگر کوئی شخص نسبت اور ناطہ پر شکر وغیرہ اس لئے تقسیم کرتا ہے کہ وہ ناطہ پکّا ہو جائے تو گناہ نہیں۔ لیکن اگر یہ خیال نہ ہو بلکہ اس سے مقصد صرف اپنی شہرت اور شیخی ہو تو پھر یہ جائز نہیں ہوتے۔ اسی طرح میرے نزدیک باجے کی بھی حِلّت ہے۔ اس میں کوئی امر خلاف شرع نہیں دیکھتے بشرطیکہ نیت میں خلل نہ ہو۔ نکاحوں میں بعض دقت جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اور وراثت کے مقدمات ہو جاتے ہیں۔ جب اعلان ہو گیا ہوا ہوتا ہے تو ایسے مقدمات کا انفصال سہل اور آسان ہو جاتا ہے۔ اگر نکاح گُم صُم ہو گیا اور کسی کو خبر بھی نہ ہوئی تو پھر وہ تعلقات بعض اوقات قانوناً ناجائز سمجھے جا کر اولاد محروم الاِرث قرار دے دی جاتی ہے۔ ایسے امور صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہیں کیونکہ ان سے شرع کے قضایا فیصل ہوتے ہیں۔ یہ لڑکے جو پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ بعض وقت اُن کے عقیقہ پر ہم نے دو دو ہزار آدمی کو دعوت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ہماری غرض اس سے یہی تھی کہ تا اس پیشگوئی کا جو ہر ایک کے پیدا ہونے سے پہلے کی گئی تھی بخوبی اعلان ہو جاوے۔

بدظنّی سے حبطِ اعمال ہو جاتا ہے۔ تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ مَیں اپنے آپ کو سب سے بدتر سمجھوں گا۔ ایک بار وہ دریا پر گیا تو اُس نے دیکھا ایک جوان عورت ہے اور ایک مرد بھی اس کے ساتھ ہے اور دونوں بڑی خوشی کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہاں اس نے دعا کی کہ الٰہی! مَیں اس شخص سے تو بہتر ہوں کیونکہ اس نے حیا چھوڑ دیا ہے۔ اتنے میں کشتی آئی، سات آدمی تھے، وہ غرق ہو گئے۔ وہ شخص جس کو اس نے شرابی سمجھا تھا۔ دریا میں کُود پڑا اور چھ کو بچا لایا اور ایک باقی رہا تو اس کو مخاطب کر کے کہا کہ تو نے ایسا گمان کیا تھا۔ اب ایک باقی ہے، اُسے نکال لا۔ اس وقت اُس نے سمجھا کہ یہ تو مجھے ٹھوکر لگی۔ آخر اس سے اصل معاملہ پوچھا تو اس نے کہا کہ مَیں تیرے لئے خدا کا مامور ہوں۔ یہ عورت میری والدہ ہے اور جس کو تو شراب کہتا ہے یہ اس دریا کا پانی ہے اور یہاں مَیں خدا تعالیٰ کے بٹھائے سے بیٹھا ہوں۔

غرض حُسن ظن بڑی عمدہ چیز ہے۔ اس کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے اور خدا تعالیٰ کے فضل اور انعام پر اُس کا شکر کرنا بھی کبھی ناجائز نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ محض اس کی رضا ہی مطلوب ہو اور دنیا کی شیخی اور نمود غرض نہ ہو۔"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 46-53)

اللہ تعالیٰ اِن پر ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین

(کمپوزڈ: منہاس محمود۔ جرمنی)

✡✡✡✡